مکاتیبِ اقبال میں تہذیبی مباحث: تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر الماس خانم، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور

dr.almaskhanum@gcu.edu.pk

خلاصہ

علامہ اقبال کے تہذیبی و تاریخی شعور نے جس سرزمین کی فضاؤں میں نمُو پائی اس سرزمین کو دنیا کا کثیر التہذیبی خطہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس خطے نے بین الاقوامی تہذیبوں کے گہرے اثرات قبول کیے یہاں تک کہ مغربی تہذیب کو بھی اپنے اندر سمو لیا۔ علامہ اقبال نے ان تہذیبوں کا گہرا مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کے نتائج کو اپنے کلام اور مکاتیب میں زیرِ بحث لائے۔ علامہ اقبال کے دریافت اور دستیاب خطوط کی تعداد قریباً پندرہ سو ہے۔ یہ خطوط زیادہ تر معاصر مشاہیر کے نام لکھے گئے ہیں۔ یہ خطوط علامہ اقبال کی نجی زندگی سے لے کر عالمی معاملات تک کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان خطوط میں علامہ اقبال خاص طور سے عربی، عجمی، پارسی اور مغربی تہذیبوں کو زیرِ بحث لائے ہیں جن سے ان کے تہذیبی شعور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس مقالہ کا مقصد علامہ اقبال کے اسی تہذیبی شعور کو اجاگر کرنا ہے۔ علامہ اقبال نے اسلامی تہذیب کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور اس کے اثرات کی نشاندہی کی۔ اس مقالہ میں تہذیب سے متعلقہ علامہ اقبال کے ان تمام مباحث کو اجاگر کیا جائے گا جن کی اہمیت آج بھی نہ صرف مسلم ہے بلکہ تہذیبوں کے مابین مکالمے کو سمجھنے کے لیے از حد ضروری بھی ہے۔

علامہ اقبال کے تہذیبی شعور کو اجاگر کرنے سے قبل اس بات کا تعین کرنا لازم ہے کہ تہذیب آخر ہے کیا؟ اس سوال کا جواب دنیا کی قریباً ہر زبان میں لاکھوں صفحات میں بکھرا پڑا ہے۔ اس سوال کا آسان اور جامع جواب ابوالاعلیٰ مودودی کی تصنیف ''اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی'' میں دیکھا جا سکتا ہے:

'' تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تکوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے:

۱۔ دنیوی زندگی کا تصور

۲۔ زندگی کا نصب العین

۳۔ اساسی عقائد و افکار

۴۔ تربیتِ افراد

۵۔ نظامِ اجتماعی'' [۱]

گویا کہ تہذیب کو ایک ایسا نظامِ زندگی قرار دیا جا سکتا ہے جس میں کسی بھی قوم کا ماضی، حال اور مستقبل مضمر ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر بڑی قوم کسی تہذیب کی علمبردار ہوتی ہے اور یہ تہذیب نہ صرف اس

قوم کے ماضی اور حال کی عکاس ہوتی ہے بلکہ اس کے مستقبل کا آئینہ بھی ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب کا شمار بھی دنیا کی بڑی تہذیبوں میں ہوتا ہے جو کہ شاندار روایات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک طرف تو اس شاندار تہذیب سے گہرا رشتہ ہے دوسری طرف وہ ہند کی تہذیب کے اثرات بھی لیے ہوئے ہیں۔ اقبال کے عہد میں ایک اور تہذیب جس نے اہلِ ہند پر دور رس اثرات ڈالے وہ مغربی تہذیب تھی۔ تاریخ کے گہرے مطالعہ سے علامہ اقبال کا تہذیبی شعور پختہ ہو چکا تھا جس نے بھرپور توانائی کے ساتھ اپنا اظہار شاعری میں پایا۔ ان کے افکار کو جاننے کا دوسرا اہم ذریعہ ان کے خطوط ہیں۔ یہ خطوط اہم دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں علامہ اقبال اپنی نجی زندگی سے لے کر نہ صرف اپنے عہد کے ہندوستان کے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی و سماجی مسائل و معاملات کو زیرِ بحث لائے ہیں بلکہ عالمی امور بھی ان کی توجہ کا مرکز بنے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ کا مقصد تہذیب کے ان مباحث کو اجاگر کرنا ہے جنہیں اقبال نے اپنے خطوط میں بیان کیا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطوط میں سب سے زیادہ اسلامی تہذیب کی بات کی ہے۔ کلامِ اقبال کی بہ نسبت خطوط میں مغربی تہذیب کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ کلامِ اقبال میں مغربی تہذیب پر تنقید کے نتیجہ میں اس خیال نے بھی تقویت پائی کہ علامہ اقبال مغربی تہذیب کے شدید مخالف ہیں بلکہ بعض کے نزدیک تو وہ تہذیبوں کے تصادم کا اشارہ بھی دیتے ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم "فکرِ اقبال" میں بعنوان "مغربی تہذیب و تمدن پر علامہ اقبال کی تنقید" لکھتے ہیں کہ:

" اقبال کے ہاں مغربی تہذیب کے متعلق زیادہ تر مخالفانہ تنقید ہی ملتی ہے اور یہ مخالفت اس کی رگ و پے میں اس قدر رچی ہوئی ہے کہ اپنی اکثر نظموں میں جا و بے جا ضرور اس پر ایک ضرب رسید کر دیتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ اثر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو مغربی تہذیب میں خوبی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ اس کے اندر اور باہر فساد ہی فساد دکھائی دیتا ہے۔ گویا یہ تمام کارخانہ ابلیس کی تجلی ہے۔"[۲]

خلیفہ عبدالحکیم کے اس بیان کی روشنی میں عام تاثر یہی بنتا ہے کہ اقبال مغربی تہذیب کے شدید مخالف ہیں مگر مکاتیبِ اقبال کا جائزہ لیا جائے تو کہیں بھی نہ تو مغربی تہذیب کی شدید مخالفت ملتی ہے اور نہ ہی وہ کہیں مغربی تہذیب پو کوئی ضرب رسید کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کے برعکس ان کے خطوط میں کسی بھی موقع پر مغرب مخالفت کا شائبہ تک نہیں گزرتا۔ اقبال کے قریباً پندرہ سو خطوط میں سے صرف چند ایک مقامات پر مغرب مخالفت کا ذکر ہوا ہے وہ بھی سرسری انداز میں مثلاً مولانا اکبر الہ آبادی کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ:

"کعبہ کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہو گا مگر خدارا آج کل صرف کعبہ ہی بتایئے۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں (جیسا کہ بعض لوگ نادانی سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام کی پوزیشن سائنس کے خلاف نہایت مضبوط ہے) مگر اس کا دشمن یورپ کا TERITORRIAL NATIONALISM ہے۔ جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اکسایا، مصر میں مصریوں کے لئے، کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو PAN-INDIAN DEMOCRACY کا بے معنی خواب دکھایا۔ آپ تو گروہ بندی پر بڑا زور دیتے ہیں بلکہ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے 'مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط' گو مجھے اس مصرع سے اتفاق نہیں تاہم مذہب اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے جس کا مرکز کعبتہ اللہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مذہب کا مقصد صرف گروہ بندی ہے اور کچھ نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا مصرع سے معلوم ہوتا ہے تو آپ کے قلم و زبان سے یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہے۔ آپ کے نزدیک تو کعبہ کے سوا کوئی اور مقام نہ ہونا چاہئیے یہی میرا بھی مذہب ہے۔"[۳]

ایک اور مقام پر علامہ اقبال یورپ کے کلچر کو اعلیٰ کلچر تو قرار دیتے ہیں لیکن اہلِ مغرب کے اعمال کو اس کلچر کے مقاصد کے منافی دیکھتے ہوئے اس کے فنا ہو جانے کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ:

" یورپ کی قوموں نے ایک اعلیٰ کلچر کی بنیاد رکھی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کا عمل اس کلچر کے مقتضیات کے خلاف ہے۔ اس واسطے اغلب ہے کہ یہ کلچر بے کار ہو کر یورپ میں فنا ہو جائے گا۔" [۴]

اسی طرح اقبال اپنے ایک اور خط میں لطیف انداز میں مغرب پر گہرا طنز کرتے نظر آتے ہیں۔ خان محمد نیاز الدین خان کے نام لکھتے ہیں کہ:

"آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں۔ مگر افسوس کہ زمانہ حال کی مغربی تہذیب سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار ہیں"۔[۵]

اقبال کے تمام تر مکاتیب میں سے صرف چند خطوط ایسے ہیں کہ جن میں اقبال، مغربی تہذیب پر تنقید کرتے ہیں اور اس تحریر میں کہیں بھی مغرب کی شدید مخالفت یا مغرب سے تصادم کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ اسی پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے شمیم حنفی اپنے مضمون " تہذیبوں کے تصادم کا مسئلہ اور اقبال" میں لکھتے ہیں کہ:

" اقبال نے ایک خاصے وسیع اور گہرے پس منظر میں جدید و قدیم کے قصے پر نظر ڈالی تھی اور بہت سے تہذیبی سوال اٹھائے تھے، لیکن ان کی نثر و نظم میں خفیف ترین سطح پر بھی اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں ملتا جسے اسلام اور عیسائیت یا مشرق اور مغرب کی جنگ اور تصادم کا نام دیا جا سکے" [۶]

علامہ اقبال کا وہ خط جو انہوں نے سفر یورپ کے دوران عدن کے مقام سے مولوی انشا اللہ خاں کے نام لکھا بہت سے معاملات اور نکات کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس خط کے متن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی تہذیب ان کے لیے کیا معانی رکھتی ہے اور وہ کس طرح اسلامی تہذیب کے عام سے نشانات دیکھ کر اپنے جذبات کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دہلی پہنچ کر وہ شہر انہیں "اسلامی شان و شوکت کا قبرستان" دکھائی دیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس خط میں پارسی تہذیب پر بھی گہری نظر ڈالی ہے۔ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقتصادی ترقی سے کہیں زیادہ تہذیبی ترقی کو اہمیت دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بمبئی شہر کے پارسیوں کی بے اندازہ دولت سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اپنی زبان اور لٹریچر سے غفلت کو ان کے مستقبل کے لیے اچھا خیال نہیں کرتے اور اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"یہاں پارسیوں کی آبادی اسی نوے ہزار کے قریب ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر ہی پارسیوں کا ہے اس قوم کی صلاحیت نہایت قابل تعریف ہے۔ اور ان کی عظمت و دولت بے اندازہ، مگر اس قوم کے لیے کسی اچھی فیوچر FUTURE کی پیشین گوئی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں ہیں اور کسی چیز پر اقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے علاوہ اس کے نہ کوئی ان کی زبان ہے اور نہ ان کا لٹریچر ہے اور طرہ یہ کہ فارسی کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس! یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں۔ ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے بلکہ زردشتی رنگ اس کے رگ وریشے میں ہے اور اسی پر اس کے حسن کا دارومدار ہے۔"[۷]

اقبال کے اسی خط سے ہندوستانیوں کی اس عہد کی تہذیب کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ جس کا اظہار ہندو اور مسلمان دونوں ہی کرتے نظر آتے ہیں اور یہ تہذیبی رویے علامہ کے لیے اس قدر تکلیف دہ ہیں کہ اس کے متعلق تاثرات انہیں "مجنون سا کر دیتے ہیں" اقبال ان کی طرزِ زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے۔ ہمارے ملک میں محبت اور مروت کی بُو باقی نہیں رہی ہم اس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو ہندووں کے خون کا پیاسا ہو اور اس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمان کی جان کا دشمن ہو' ہم کتاب کے کیڑے ہیں اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں۔ کاش خلیج بنگالہ کی موجیں ہمیں غرق کر ڈالیں۔" [۸]

اسی خط میں علامہ اپنی اس کیفیت کو بھی بیان کرتے ہیں جو کہ عرب کی مقدس سر زمین کو دیکھ کر ان پر طاری ہو گئی کیونکہ یہی وہ سر زمین ہے کہ جس پر موجودہ تہذیب و تمدن کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ اپنی اس کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے اقبال اسلامی تہذیب و تمدن کے اس گہوارے کا ذکر جن الفاظ میں کرتے ہیں ان سے ااندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب ان کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

" اے عرب کی مقدس سرزمین تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔" [۹]

یہی وہ تہذیب ہے جس پر اقبال تمام زندگی فخر کرتے رہے۔ جسے وہ از سرِ نو زندہ دیکھنے کے خواہاں رہے۔ اسی تہذیب کو وہ جدید تمدن کی بنیاد قرار دیتے رہے۔ یہ وہ اسلامی تہذیب ہے جو ان کے نزدیک امت مسلمہ کا سرمایہ حیات بھی ہے اور باعثِ نجات بھی۔ یہی وہ تہذیب ہے کہ انگلستان پہنچ کر بھی اقبال اسی کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انہوں نے مغربی تہذیب کی چکا چوند میں بھی اسلامی تہذیب کو فراموش نہ کیا اور اس کے گہرے مطالعہ میں غرق رہے اور حاصلِ مطالعہ کو خاص طور سے مسلمانوں تک پہنچانے کی فکر میں رہے۔ اقبال نے اپنے خطوط میں ان لیکچروں کا ذکر کیا ہے جو کہ اسلامی تہذیب و تمدن سے متعلق تھے۔ خواجہ حسن نظامی کے نام لکھتے ہیں کہ:

"انگلستان میں میں نے اسلامی مذہب و تمدن پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے۔ دوسرا 'اسلامی تصوف' پر فروری کے تیسرے ہفتہ میں ہو گا۔ باقی لیکچروں کے معانی یہ ہوں گے۔ 'مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر' 'اسلامی جمہوریت' 'اسلام اور عقلِ انسانی' وغیرہ۔" [۱۰]

علامہ اقبال کے خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف خود اپنے کلام کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب کے گمشدہ نشانوں تک لے جانے کی سعی کی بلکہ اپنے ارد گرد ہونے والی ایسی تمام کاوشوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جو اسلامی تہذیب کو زندہ کرنے والی تھیں۔ یہی وجہ ہے اقبال نے ان کتب کے بارے میں بھی ہمیشہ حوصلہ افزا رائے کا اظہار کیا جن کا تعلق کسی بھی طرح سے اسلاف سے تھا۔ جو مسلمانوں کی شاندار تاریخ اور روایات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے تھیں۔ اقبال شدت سے خواہش مند تھے کہ مسلمانوں کے ماضی کے وہ تمام معاملات و واقعات منظرِ عام پر آئیں اور ان تک ایک عام مسلمان کی رسائی ہو جن کی بنیاد پر اسلامی تہذیب کی عمارت تعمیر ہوئی۔ درج ذیل خطوط کے متن سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ اس نوعیت کی کتابوں کی کس قدر حوصلہ افزائی کرتے تھے جن کا تعلق اسلامی تہذیب سے ہوتا تھا۔ محمد دین فوق کی کتاب "یادِ رفتگاں" پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" اہل اللہ کے حالات نے جو آپ نے بنام 'یادِ رفتگاں' تحریر فرمائے ہیں، مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں درج کی ہیں مجھے اتنا رلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانہ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حسنِ ظن کا دور ہو جانا ہے۔[۱۱]

اسی طرح مولوی کرم الٰہی صوفی کے نام خط میں ان کی کتاب "اسلامی تاریخ عہد افغانیہ" کے متعلق لکھتے ہیں:

" میں نے آپ کی کتاب 'اسلامی تاریخ عہد افغانیہ' شروع سے لے کر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اس کی بہت قدر کریں گے۔۔۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مورخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔، مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جن کی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے، اس کتاب کے مطالعے سے اخلاق فاضلہ کے وہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں جو ان کی قوم کے مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے حجاز کے صحرا نشین تیس ہی سال کے اندر شتر بانی سے جہاں بانی تک پہنچ کر اقوامِ قدیمہ کی تہذیبِ جدید کے بانی بن گئے۔" [۱۲]

علامہ اقبال نے انگلستان میں قیام کے دوران اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالہ کے لیے مواد کی تلاش میں اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اسلام کی اصل روح سمجھنے کے لیے اپنے عہد کے علما سے رجوع کیا۔ خاص طور سے "تصوف" کے معاملات سمجھنے اور اس کی اصل روح تک رسائی کے لیے کوشاں رہے۔ اسی دوران وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ رائج تصوف دراصل عجمیت کی دین ہے۔ تصوف کے نظریات عجم کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور ان کا عربی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ معاملہ صرف تصوف تک ہی محدود نہیں بلکہ مسلمانوں کی

زندگی کے تمام تر معاملات پر عجمیت کے گہرے اثرات ہیں اور اسلامی تہذیب بھی اس سے مبرا نہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے خطوط میں کئی مقامات پر اس اہم مسئلہ کی نشاندہی کی ہے۔ وہ اس حقیقی اسلام کو بے نقاب کرنے کے خواہاں تھے جو کہ عجمیت کے اثرات سے پاک ہو۔ اپنے ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے منشی سراج الدین کے نام لکھتے ہیں کہ:

" ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض وغایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلعم کے منہ سے ہوئی۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر حملہ تصور کیا ہے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے۔ ان شا اللہ دوسرے حصے میں دکھاوں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا اور صحابہ کرام کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا تصوف حامی ہے۔" [۱۳]

اسی طرح سید یامین ہاشمی کے اشعار کی اصلاح کرتے ہوئے بھی تفصیلاً مسلمانوں پر عجمی اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں اور عجمیت سے اجتناب کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

" میں نے آپ کی تعمیل ارشاد میں آپ کے پہلے شعر کی اصلاح اپنے خیال ناقص میں کر دی ہے۔ مگر مضمون کے اعتبار سے باقی اشعار کا ٹون اس شعر سے مختلف ہے اور بحیثیت مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمانہ حال میں عجمیت سے اجتناب لازم ہے۔ اس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے اسے اسلام کی خدمت اور اقوام و ملل اسلامیہ کے احیاو بیداری میں صرف کرے۔ میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس وقت اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب لٹریچر اور عام زندگی پر ہے۔ شاید عربوں اور افغانوں کے سوا تمام اقوام اسلامیہ اس زہر سے خطرناک طور پر متاثر ہو چکی ہیں۔" [۱۴]

گویا کہ اقبال کے نزدیک عجمیت، مغربی تہذیب سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اقبال نے اسے ایسا زہر قرار دیا ہے جو کہ مسلمانوں کی رگوں میں سرایت کر گیا ہے اور لمحہ فکریہ یہ ہے کہ مسلمان اس عجمی تہذیب کو اسلامی تہذیب سمجھ کر اسے اپنی زندگیوں کا حصہ بنا چکے ہیں اور اسی کو اپنی تہذیب گردانتے ہیں۔ اسی لیے اقبال کو جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ عجمیت کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ علامہ اقبال مسلم تہذیب کو ایک کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ ایک ایسا کرشمہ جس پر جدید تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ علامہ نے تاریخ کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ وہ تاریخ کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ اسی بنا پر وہ ایس حبیب احمد کے اسلامی فکر و فلسفہ سے متعلق سوالات کے جوابات میں اپنی اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اصل مسلم تہذیب کی تاریخ تو آج تک لکھی ہی نہیں گئی اور جو کچھ اسلامی تہذیب کے نام پر لکھا گیا ہے وہ سرسری ہے۔ لکھتے ہیں:

" مجھے اندیشہ ہے کہ خط میں آپ کے سوالات کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر لوسی (DR. LUCY) کا نقطہ نظر وہی ہے جو عام طور پر یورپ میں متداول ہے لیکن مسئلہ کا اسلامی پہلو ابھی متعین کرنا ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب کی تاریخ ہنوز لکھی ہی نہیں گئی۔ بہت سا مواد اس وقت تک یا تو نامعلوم ہے یا غیر مطبوعہ ہے۔ یورپ کے علما نے اس عجیب و غریب کرشمہ کے محض بیرونی پہلوؤں پر سرسری نظر ڈالی ہے جس کو مسلم تہذیب کہا جاتا ہے۔" [۱۵]

علامہ اقبال اپنے کلام میں اکثر مقامات پر ملا سے بیزار نظر آتے ہیں۔ انہیں اہلِ مدرسہ سے شکوہ ہے کہ وہ "شاہیں بچوں کو خاکبازی کا سبق دے رہے ہیں" اور انہوں نے "نوجوانوں کا گلا گھونٹ دیا ہے" اسی لیے اب کہیں سے "لاالٰہ کی صدا بلند نہیں ہوتی"۔ اسی لیے وہ ایسے عالم چاہتے ہیں جو حقیقی اسلامی تہذیب اور تاریخ سے آگاہ ہوں اور اس تناظر میں جدید خطوط پر نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیں۔ اپنے ایک طویل خط میں ان نکات کے بارے میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان کو لکھتے ہیں کہ:

"۔۔۔۲۔ ایسے عالم پیدا کرنا جو اسلامی افکار اور ادبیات کے مختلف شعبوں میں اپنی تحقیقات سے اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیاتِ دماغی کا جو

تسلسل پایا جاتا ہے ،اس کی ازروے نشوونما جستجو کریں۔ اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳۔ ایسے عالموں کا تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ(فنون)اور علم تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں۔"[۱۶]

سید سلیمان ندوی کے نام خط میں وہ 'قدیم' کو اتنا ہی اہم متصور کرتے ہیں جتنا کہ 'جدید' کو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر ہو کہ شاعری وہ مسلمانوں کی قدیم شاندار تہذیب و روایات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا ادراک وفہم قدیم سے رشتہ جوڑے بغیر ممکن نہیں۔لکھتے ہیں کہ:

" میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں 'قدیم' ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ ' جدید' بلکہ میرا ذاتی میلان 'قدیم' کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔" [۱۷]

اپنے اسی "ذاتی میلان" کے باعث علامہ جب "قدیم" کی طرف نظر کرتے ہیں تو ان کی نظر "روحِ اسلاف" سے ٹکراتی ہے جنہوں نے شاندار اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ جو شاندار اسلامی روایات کے حامل تھے۔ وہ خواب بھی دیکھتے ہیں تو مسلمان قوم کی بیداری کے۔ ہر نئی تحریک اور جدوجہد سے ان کی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں اور وہ مسلمانوں کی فتوحات کی راہ تکنے لگتے ہیں۔ راغب احسن کے نام خط میں ان کی تحریک " جمیعتہ الشان المسلمین" کی بابت لکھتے ہیں:

" مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے ۔ عربی گھوڑے سے مراد روحِ اسلاف ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے"۔[۱۸]

علامہ کو جہاں کہیں موقع ملتا ہے وہ غیر مسلموں کو بھی اسلامی تہذیب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آج بھی نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ دیگر اقوام کے لیے بھی راہِ نجات اور بھلائی اسلامی نظام ہی میں پوشیدہ ہے۔لارڈ لوتھین کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ:

"ہسپانیہ کی نئی حکومت غرناطہ کو دنیائے اسلام کے لیے، ایک طرح کا تہذیبی مکہ بنانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ میرے خیال میں مناسب ترین وقت یہی ہے کہ انگلستان کو اسلام کے تہذیبی پہلو میں سنجیدگی کے ساتھ دلچسپی لینی چاہیئے۔ درحقیقت ایک معاشی نظام کی حیثیت سے اسلام کہیں زیادہ دلچسپ ہے۔ اور ہماری موجودہ مشکلات کے کہیں زیادہ عملی حل تجویز کرتا ہے۔" [۱۹]

اسی طرح ایڈورڈ تھامپسن کے نام خط میں بھی وہ مغربی تہذیب کی دین "قوم پرستی" کی مخالفت کرتے ہوئے انگریزوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نجات اور کامیابی اسلامی نصب العین میں ہے۔وہ ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کے اطوار و افکار سب جدا ہیں یعنی وہ ایک جداگانہ تہذیب کے مالک ہیں اور انہیں اپنی اس جداگانہ حیثیت میں نشوونما کے مواقع ملنا چاہئیں۔لکھتے ہیں کہ:

" میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلامی نصب العین سے سراسر ناواقفیت کے باعث مسلمان اس قوم پرستی کے طوفان میں بہے چلے جارہے ہیں۔ ان حالات میں میرا فرض تھا کہ آگے بڑھوں اور نوجوان نسل کے سامنے اسلامی نصب العین کا صحیح اور واضح مطلب پیش کروں۔ مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے میری سدا سنی اور انگریزوں نے کسی حد تک اندازہ لگالیا کہ مسلمانانِ ہند ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کے افکار و اطوار کے مطابق ان کو اپنی نشوونما کے لیے مواقع فراہم ہونا چاہئیں۔" [۲۰]

علامہ اقبال نے اپنے مکاتیب میں اسلامی تہذیب کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش کا نہ صرف اظہار کیا ہے بلکہ اس حوالہ سے اپنے عہد کے علما کو مفید اور کارگر مشورے بھی دیے ہیں۔ علامہ ایسا کیوں چاہتے تھے اس بات کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر سید عبد الطیف کے اس بیان سے مدد لی جاسکتی ہے کہ:

" ہر تہذیب ایک زندہ نظام ہوتی ہے۔ عموماً وہ کسی خاص قوم کی معاشرت سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور پھر اسی پر اثر ڈال کر تازہ قوت حاصل کرتی ہے۔ اس کی ترقی اور اس کا تنزل دونوں اسی قوم کی زندگی کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کی حامل ہو۔"[۲۱]

اقبال چاہتے ہیں کہ اسلام کی مذہبی اور کلچرل حیثیت سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آگاہ ہوں۔ انہیں قلق ہے کہ مسلمان اس حیثیت میں نہیں کہ وہ اپنی تہذیب کی افادیت سے خود بھی آگاہ ہو سکیں اور دوسروں کو بھی آگاہ کر سکیں۔ شیخ اعجاز احمد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

" مسلمانوں میں استطاعت اس قدر نہیں ہے کہ وہ یورپ میں کلچرل اور مذہبی مشن بھیج سکیں۔ جو مشن وہاں موجود ہیں ان میں کوئی آدمی اس قابل نہیں کہ وہ یورپ کی موجودہ مشکلات کو سمجھ سکے اور ان مشکلات کی روشنی میں اسلام کی مذہبی اور کلچرل حیثیت ان کے سامنے پیش کر سکے۔" [۲۲]

اقبال جانتے ہیں کہ نہ صرف امتِ مسلمہ بلکہ دنیا کی مشکلات کا حل بھی اسلام کے پاس ہی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان آگے بڑھیں اور یہ فریضہ انجام دیں، لیکن ساتھ ہی وہ جانتے ہیں کہ اس نئی تشکیل کے لیے امتِ مسلمہ تیار نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور سید سلیمان ندوی سے پر امیدی کے ساتھ یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام دم توڑتی جمہوریت اور تہذیب و تمدن کی تشکیل کس حد تک کر سکتا ہے؟ مولانا سید سلیمان ندوی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

" دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے، جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف بھی ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالتِ نزاع میں ہے، غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک مدد ہو سکتا ہے"۔[۲۳]

علامہ اقبال نے قائدِ اعظم کے نام جو خط لکھے وہ تعداد میں کم ہونے کے باجود خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ علامہ اقبال ان خطوط میں ہندوستان اور عالمِ اسلام سے متعلق انتہائی اہم امور کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ انہیں خطوط میں سے ایک خط میں وہ مسلمانوں کے ثقافتی مسئلہ کو اتنا ہی اہم قرار دیتے ہیں جتنا کہ اقتصادی اور معاشی مسئلہ ہو سکتا ہے۔ محمد علی جناح کے نام لکھتے ہیں:

" یہ امر لابدی ہے کہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان کی دنیا کو بتا دیا جائے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی اکثریت کی نگاہ میں ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اگر معاشی مسئلہ سے زیادہ اہم نہیں تو اس سے کسی طرح کم اہمیت کا حامل بھی نہیں۔" [۲۴]

علامہ اقبال دور بیں انسان تھے ان کی نظر تمام عالمی و مقامی معاملات و حالات پر تھی۔ وہ اسلام کو تمام انسانیت کے لیے نجات دہندہ خیال کرتے تھے اور اسلامی تہذیب کے فروغ کے متمنی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شیخ الازہر محمد مصطفٰی المراغی نے مصری وفد کو ہندوستان بھیجنے کے لیے علامہ اقبال سے رہنمائی اور تعاون کی درخوست کی تو آپ نے ان کو جو جواب لکھا وہ اسلامی تہذیب کے حوالہ سے خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

" یہ آپ کی بلند خیالی ہے کہ آپ نے ہندوستان کی طرف ایک مصری وفد بھیجنے کی تجویز فرمائی ہے۔ مذہب اسلام ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور مجھے اس میں زرا شک نہیں کہ اچھوتوں کا اسلام قبول کرنا ہندوستان کی تاریخ میں (فروغ اسلام کا) ایک غیر معمولی موقع فراہم کرے گا اور سارے ایشیا میں اسلام کے مستقبل کی تاریخ پر اثر انداز ہو گا۔۔۔ میں آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرنا چاہوں گا: ۱۔ وفد میں ایسے علمائے دین شامل ہوں جو دین اسلام سے بخوبی واقف ہوں اور اس کو جدید فکر و تجربہ کی روشنی میں پیش کرنے کے قابل ہوں۔ ان کو وہ تمام معلومات اور اعداد و شمار دستیاب ہوں جن سے ظاہر ہو کہ مذہب اسلام نے کس طرح افریقہ کے کفار کو متمدن قوموں کے ہمدوش کھڑا کر دیا ہے۔ ۲۔ یہ بھی لازمی ہے کہ ہندوستان میں قیام کے دوران وفد کے علما اس انداز سے رہیں سہیں جس سے یہاں مصری مسلمانوں کی عزت بڑھے۔" [۲۵]

اقبال نے یہاں افریقہ کا متمدن یعنی تہذیب یافتہ قوموں میں شمولیت کا ذکر کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کی بنیاد پر ہی آج بھی مسلمان دنیا کی متمدن قوموں کے ہم پلہ ہیں نہ صرف یہ بلکہ جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی تہذیب کو اپنائے گا وہ متمدن قوموں میں شامل ہو گا۔ گویا کہ اقبال کے نزدیک غیر مسلمانوں کو صرف قول کے ذریعہ نہیں بلکہ اسلامی تہذیب کے عملی مظاہرہ کے ذریعہ متاثر کر کے ہی دائرہ اسلام میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ اقبال ضروری سمجھتے ہیں کہ مصری وفد اپنے رہن سہن کے طور طریقوں سے ہندوستان کے غیر مسلم طبقہ کو متاثر کرنے کا اہتمام کرے۔

اسی تناظر میں اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام لکھتے ہیں کہ:

" جناب مولانا۔ آپ کا رسالہ ' اچھوت اقوام اور اسلام' نہایت دلچسپ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عام طور پر نہایت مفید ثابت ہو گا۔ اسی قسم کا ایک رسالہ دستورِ حیات پر لکھنا چاہیئے تا کہ غیر مسلم اقوام کو معلوم ہو کہ روزمرہ کی زندگی میں اسلام یسر ہے عسر نہیں ہے۔ زمانہ حال میں لوگوں کو فلسفیانہ بحث کی نسبت دستورِ حیات میں زیادہ دلچسپی ہے۔ اس وقت یورپ میں بھی یہی بحث ہے۔" [۲۶]

علامہ اقبال کے بیشتر خطوط ہم عصر علما و مشاہیر کے نام ہیں۔ ان خطوط میں جو امور زیرِ بحث آئے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق امتِ مسلمہ کی فلاح سے ہے۔ اپنے کلام کی طرح اقبال اپنے مکاتیب میں بھی مسلمانوں کی موجودہ صورتحال سے آزردہ نظر آتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے خطوط میں محض تاسف کا اظہار ہی نہیں کرتے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے مختلف مکتبہ ہائے فکر کی سرکردہ شخصیات کو امتِ مسلمہ کی تشکیلِ جدید کے لیے مشورے بھی دیتے ہیں اور عمل پر اکساتے نظر آتے ہیں۔ اسلامی تمدن کے احیا کی کوشش کے ضمن میں شیخ الجامعہ ازہر شیخ مصطفٰے المراغی کے نام لکھتے ہیں کہ:

" ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہم پنجاب کی ایک بستی میں ایک اہم ادارے کی بنیاد رکھیں کہ اب تک کسی اور نے ایسا ادارہ قائم نہیں کیا اور انشا اللہ اسے اسلامی دینی اداروں میں بہت اونچی حیثیت حاصل ہو گی۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کچھ ایسے لوگوں کو جو جدید علوم سے بہرہ ور ہوں۔ کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ یکجا کر دیں جنہیں دینی علوم میں مہارت حاصل ہو۔ جن میں اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیت پائی جاتی ہو اور جو اپنا وقت دینِ اسلام کی خدمت میں لگانے کو تیار ہوں۔ اور ہم ان لوگوں کے لیے نئی تہذیب اور جدید تمدن کے شور و شغب سے دور ایک دارالاقامت بنادیں جو ان کے لیے اسلامی علمی مرکز کا کام دے اور اس میں ہم ان کے لیے ایک لائبریری ترتیب دیں جس میں وہ تمام قدیم و جدید کتابیں موجود ہوں جن کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ مزید برآں ان کے لیے ایک کامل اور صالح گائڈ کا تقرر کیا جائے جسے قرآنِ حکیم پر بصیرتِ تامہ حاصل ہو اور جو دنیائے جدید کے احوال و حوادث سے بھی باخبر ہو تا کہ وہ ان لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روح سمجھا سکے اور فلسفہ و حکمت اور اقتصادیات و سیاسیات کے شعبوں میں فکر اسلامی کی تجدید کے سلسلے میں انہیں مدد دے سکے تا کہ یہ لوگ اپنے علم اور اپنے قلم سے اسلامی تمدن کے احیا کے لیے کوشاں ہو سکیں۔" [۲۷]

بحیثیتِ مجموعی علامہ اقبال کے خطوط کے مطالعہ سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ جس شدت سے ان کے تہذیبی شعور نے ان کی شاعری میں اظہار پایا ہے ویسا اظہار ان کے خطوط میں نہیں ملتا۔ انہوں نے مغربی تہذیب کے متعلق چند ایک سطریں درج کی ہیں اور وہ بھی سرسری انداز میں۔ کہیں بھی مغربی تہذیب پر کاری ضرب نہیں لگائی۔ مکاتیب میں ہم عصر مشاہیر اور علما کی توجہ اسلامی تہذیب کی طرف دلانے کی سعی کی ہے۔ وہ شاندار اسلامی تہذیب سے نہ صرف متاثر نظر آتے ہیں بلکہ اس تہذیب کو زندہ کرنے کے خواہاں بھی ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ آج بھی دنیا کی نجات اسلامی نظام اور تہذیب میں مضمر ہے لیکن وہ تہذیب جو عجمی اثرات سے پاک ہو اور خالص اسلامی تہذیب ہو۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی خالص اسلامی تہذیب کے مطالعہ اور اسے اپنانے کی دعوت دیتے ہیں اور اہلِ اسلام اور اہلِ یورپ کی مشکلات کا حل بھی اسی میں بتاتے ہیں۔

کتابیات

[1]مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی۔ طبع دہم۔لاہور: پین اسلامک پبلشرز، 1982۔

[2]عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ، فکرِ اقبال۔ طبع دہم۔لاہور: بزمِ اقبال، 2013۔

[3]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج ا۔ طبع ششم۔ دہلی: اردو اکادمی، 2010۔

[4] برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج4۔ جلہم: بک کارنر، 2016۔

[5]عبدالرحمٰن، ڈاکٹر شیخ، مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم۔ طبع دوم۔لاہور: بزمِ اقبال، 1995۔

[6] خاں، عبدالرحیم، مرتبہ، جہانِ اقبال۔ طبع دوم۔ نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 2011۔

[7]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج ا۔ طبع ششم۔ دہلی: اردو اکادمی، 2010۔

[8]ایضاً۔

[9] ایضاً۔

[10]ایضاً۔

[11]ایضاً۔

[12]ایضاً۔

[13]ایضاً۔

[14]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج۳۔ طبع سوم۔ دہلی: اردو اکادمی، 2010۔

[15]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج۲۔ طبع پنجم۔ دہلی: اردو اکادمی، 2010۔

[16]ایضاً۔

[17]ایضاً۔

[18]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج۳۔ طبع سوم۔ دہلی: اردو اکادمی، 2010۔

[19]ایضاً۔

[20]ایضاً۔

[21]عبداللطیف، ڈاکٹر سید، ہندوستان میں اسلامی تہذیب ایک علمی مقالہ۔ حیدر آباد دکن: مجلس تہذیب اسلامی، 1937۔

[22]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج۳۔ طبع سوم۔ دہلی: اردو اکادمی، 2010۔

[23]ایضاً۔

[24]برنی، سید مظفر حسین، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج4۔ جلہم: بک کارنر، 2016۔

[25]ایضاً۔

[26]ایضاً۔

[27]ایضاً۔